پروفیسر خالد علوی صاحب

# نظریۂ پاکستان

نظریہ سے مُراد بالعموم کسی تہذیبی، سیاسی یا معاشرتی تحریک کے عام منصوبہ یا لائحہ عمل کا عملی بیان ہوتا ہے۔ اس طرح نظریۂ پاکستان سے مراد وہ فکری پروگرام ہے جس کی بنیاد پر پاکستان حاصل کیا گیا۔ اِسے ملّتِ اسلامیہ پاکستان کی بدقسمتی کہیں یا حالات کی سنگینی کہ یہ ملک جن اصولوں کی بنا پر معرضِ وجود میں آیا تھا، وہی اب تک متعین نہیں ہوئے۔ پاکستان کی عوامی طوفانی تحریک کو جس نظریہ نے جنم دیا اسی کے بارے میں سب سے زیادہ الجھاؤ ہے۔ ایک طالب علم بجا طور پر مطالبہ کرتا ہے کہ اسے وہ محرّکات سمجھائے جائیں جن کی وجہ سے پاکستان بنا۔ اس ضمن میں بالعموم تین باتیں کہی جاتی ہیں :۔

۱۔ پاکستان مسلمانوں کو ہندوؤں کے معاشی استحصال سے نجات دلانے کے لیے بنایا گیا۔

۲۔ پاکستان ہندوؤں کے طرزِ عمل کا منطقی نتیجہ اور ان کے رویّہ کے خلاف احتجاج تھا۔

۳۔ پاکستان مسلمانوں کے انفرادی تشخص کو بچانے اور محفوظ رکھنے کے لیے بنایا گیا، یا دوسرے لفظوں میں اس کا محرّک اسلامی جذبہ تھا۔

برِصغیر کی تاریخ کا معروضی ( Objective ) مطالعہ کرنے والے طالب علم کو معلوم ہو جائے گا کہ پاکستان کا محرّک کیا تھا؟

مندرجہ بالا محرّکات کا تجزیہ کرنے سے پہلے ایک سرسری نظر ان حالات پر ڈالنی ضروری ہے جو انگریزوں کی آمد کے وقت تھے۔ مسلمان ہندوستان میں درجہ اوّل کے شہری تھے۔ ان کی ملازمتیں تھیں، جاگیریں تھیں، اوقاف تھے، کاروبار تھے اور زندگی کے تمام وسائل تھے لیکن جب ان سے حکومت چھن گئی تو ان کا کیا حشر ہوا؟ اس کا اندازہ ڈاکٹر ہنٹر کے الفاظ سے ہوگا۔

In fact, there is now scarcely a government

office in Calcutta in which a Mohammadan can think for any post above the rank of porter, messenger, filler of Ink pots and mender of pens" 1

ڈاکٹر ہنٹر ہندو مسلم کا موازنہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" When the country passed under our rules the Muslims were the superior race and superior not only in stoutness of heart and strength of arm, but in power of political organisation and in the science of practical government" 2

انگریز نے مسلمان کی معاشی حالت کو تباہ کر دیا تھا اور ان کے ملّی وجود کو مٹانے کے لیے انگریز اور ہندوؤں نے گٹھ جوڑ کر لیا تھا۔ ہندوؤں نے انگریز سے تعاون کر کے مسلمانوں سے ہزار سالہ انتقام کا منصوبہ بنایا اور پوری دو صدیاں اس منصوبے کی تکمیل میں صرف ہوئی ہیں۔ اس سارے عرصے میں مسلمانوں کو سیاسی، معاشی، مذہبی اور ثقافتی اعتبار سے غلام بنانے کی کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی گئی تھی۔

ان حالات میں برِصغیر کی مسلم قوم نے جدوجہد کا آغاز کیا۔ یہ جدوجہد مختلف مراحل سے گزر کر قیام پاکستان پر منتج ہوئی۔ اب جبکہ پاکستان معرضِ وجود میں آ چکا ہے اس کے استحکام کے لیے اپنی کوششوں کو تیز تر کر دینے کی ضرورت تھی، ملّت کے نادان یا عیّار دوستوں نے اسے اس کے بنیادی تخیّل کے بارے میں پریشان کر دیا ہے۔ اب ہم اختصار کے ساتھ ان عوامل کا ذکر کرتے ہیں جو تخلیقِ پاکستان کا موجب بنے۔

مسلمانوں نے جب سے جدوجہد شروع کی اس میں صرف معاشی مسئلہ کو کبھی بنیاد نہیں بنایا گیا۔ گو معاشی مسئلہ اس پوری جدوجہد کا ایک پہلو ضرور تھا۔ مسلمانوں نے محسوس کیا تھا کہ معاشی بنیادوں پر ان سے جو سلوک ہو رہا ہے وہ بھی صرف اس لیے ہے کہ وہ مسلمان ہیں۔ کانگرس کا اصل منصوبہ ہندو راج کا تھا۔ اس تحریک کا مقصدِ اوّلین یہ تھا کہ برِصغیر میں مسلمانوں کی حکومت اور ان کے طویل قیام کے باعث ان کا جو ایک تشخص قائم ہو گیا تھا اور جو وقار اور احترام تھا اس کو مٹا کر یہ صورت پیدا کی جائے

---

1. Our Indian Musalman P. 167  2. Ditto P. 155

کہ برصغیر کے آئندہ حاکم ہندو ہوں اور مسلمان ان کی محکومیت پر قانع اور رفتہ رفتہ فنا ہو جائیں مسلمانوں کی جدوجہد میں جیسا کہ تفصیلاً آئے گا ہمیں کہیں نظر نہیں آتا کہ یہ محض طبقاتی جنگ تھی اور امیر و غریب کا مسئلہ تھا۔ اس تحریک کے قائدین میں تمام اُمراء و رؤسا موجود تھے۔ امیروں اور غریبوں نے مل کر یہ جنگ لڑی ہے۔ کانگرس نے یہ کوشش کی تھی کہ اسے صرف معاشی مسئلہ بنا کر مسلمانوں کو اپنے اندر جذب کر لے اس وقت مسلم لیگ نے مسلمانوں سے اپیل کی تھی۔

The Muslim League appealed to all Muslims, "that they should not permit themselves to be exploited on economics or any other grounds which will break-up the solidarity of the Community" 1

ہندوؤں نے بڑی کوشش کی تھی کہ مسلمان مذہب کا نام نہ لیں اور سیاست کو مذہب سے علیحدہ رکھیں نمبر۲۔ جواہر لال سوشلسٹ تھے اور وہ معاشی مسئلے پر ہندو و مسلمانوں کو اکٹھا کرنا چاہتے تھے جسے مسلم رہنماؤں نے فریب قرار دیا۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

"جواہر لال کی اشتراکیت خود ہندوؤں میں کشت و خون کا موجب ہو گی۔ سوشل ڈیماکریسی اور برہمنیت کے درمیان وجہ نزاع برہمنیت اور بدھ مت کے درمیان وجہ نزاع سے مختلف نہیں ہے۔ آیا اشتراکیت کا حشر ہندوستان میں بدھ مت کا سا ہوگا یا نہیں، میں اس سے متعلق تو کوئی پیش گوئی نہیں کر سکتا لیکن مجھے اس قدر صاف نظر آتا ہے کہ ہندو دھرم سوشل ڈیماکریسی اختیار کر لیتا ہے تو ہندو دھرم کا خاتمہ ہے" اگر محض معاشی مسئلہ ہوتا تو مسلمان جواہر لال کے پیچھے چلتے، گاندھی کی لنگوٹی اور فقیرانہ زندگی کو قائد اعظم کی پرُوقار بود و باش پر ترجیح دیتے۔ بقول سید حسن ریاض "ہندوستان کا حقیقی اقتدار مسلمانوں کے ہاتھوں سے جنگ پلاسی میں شکست کے بعد نکل گیا اس کے کچھ عرصے ہی کے بعد ہندوؤں نے مسلمانوں پر اپنی تعداد کی زیادتی کے زعم پر وہ حملے شروع کر دیئے جو تاریخ میں فرقہ وارانہ ہنگاموں کے نام سے مشہور ہیں اور تقسیم ہند کے وقت تک مسلسل جاری رہے۔ یہ کبھی قربانی پر، کبھی اذان پر اور کبھی

---

1. The Indian Annual Register 1936, Vol. I P.299-301
2. Meaning of Pakistan P. 6

مسجدوں کے سامنے جمع کر باجا بجانے پر ہوتے تھے جس کے لیے تلک نے یہ کہہ کر ہندوؤں کو اشتعال دلایا تھا کہ مسجدوں کے سامنے باجا بجانا ہندوؤں کا حق ہے۔ کبھی ٹھیک مغرب کی نماز کے وقت مسجد کے قریب گھنٹیاں اور گھنٹے اور گانے بجانے پر ہوتے تھے جس کو آرتی کہتے ہیں۔ ہندوستان کے پورے انگریزی دور میں کوئی ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ہے جس میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان کوئی جھگڑا مسلمانوں کے سود در سود وصول کرنے پر، یا مسلمانوں کی جائیدادوں پر قبضہ کرنے کی وجہ سے یا سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کو واجبی حصہ نہ ملنے کے باعث ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان ہوا ہو۔ ہندو واقعی مسلمانوں کا معاشی استحصال کرتے تھے اور یہ جبر کرتے تھے اور اس جبر کی نوعیتیں بھی بہت سی تھیں اور مسلمانوں کو یہ ناگوار بھی تھا۔ تاہم یہ کہنا کہ مسلمانوں نے ہندوستان کو اس معاشی استحصال کی وجہ سے تقسیم کرایا اور انہوں نے پاکستان کی تحریک اس معاشی استحصال کو روکنے کے لیے جاری کی بالکل غلط ہے۔[1] بلاشبہ معاشی استحصال ایک سبب تھا لیکن یہی واحد سبب نہیں تھا۔ معاشی استحصال نے اصل بنیاد کو مستحکم ضرور کیا۔

اب ذرا دوسری شق کا تجزیہ کریں۔ برِصغیر کی تاریخ شاہد ہے کہ ہندو مسلم منافرت کے ساتھ ہندو مسلم اتحاد بھی رہا ہے اس صدی کی پہلی تہائی میں اس اتحاد کے مختلف مظاہر نظر آتے ہیں۔ ہندوؤں کا طرزِ عمل معاندانہ تھا لیکن یہ طرزِ عمل بھی مستقل باعث نہیں قرار دیا جا سکتا۔ اگر اس اصول کو محض ایک نفسیاتی سبب کے طور پر لیا جائے اور مسلم ملت کے انفرادی تشخص کے لیے اسے معاون تصور کیا جائے تو اسے قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن اگر اس کا مقصد یہ ہے کہ تحریک پاکستان کو ایک منفی عمل قرار دیا جائے تو یہ غلط ہے کیونکہ پاکستان کے قیام کا احساس برِصغیر کے ہر مسلمان کے دل میں تھا۔ یہ کسی پارٹی کی اختراع نہیں۔ مسلم لیگ نے تو مسلم عوام کے دلوں میں اٹھنے والی موجوں کو صرف منظم و مرتب کر کے طوفان بنا دیا۔ خان دُرّانی کے الفاظ میں:

The so called Pakistan Resolution adopted by the All India Muslim League at tis Lahore Session in March 1940 was not something that the League

---

[1] پاکستان ناگزیر تھا ص ۵۶۸ -

was trying to thrust upon the Muslims of India.. It was but an expression and adoption by the League of what had already become their political faith. And yet the resolution will far ever stand as la land mark in the history of Muslim India. What had been a longing a mere vision now become definite and concrite" 2

ایسے بے شمار واقعات ملتے ہیں جن سے ہندو عداوت ظاہر ہوتی ہے انہوں نے ہر قدم پہ مخالفت کی، ان کے ہر اقدام میں مسلم نفرت کا اظہار ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود اسی کو ہی مستقل وجہ نہیں قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اس نقطۂ نظر کا تجزیہ اس طرح بھی کیا جاسکتا ہے کہ ہندوؤں نے مسلمانوں کے خلاف تعصب کا ایک خاص رویہ اختیار کر رکھا تھا اور اس کا سبب مسلمانوں کا اسلام تھا۔ اسی کے باعث ان کا طرزِ عمل ظالمانہ تھا۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہندوؤں کا یہ رویہ اسلام اور ہندومت کی کشمکش کا نتیجہ تھا اس لیے اسے مستقل سبب نہیں قرار دیا جاسکتا۔ اسے زیادہ سے زیادہ اصل سبب کا ایک مظہر کہا جاسکتا ہے ہندوستان میں بسنے والے مسلمان دو قسم کے لوگ تھے۔ ایک وہ جن کے آباؤ اجداد باہر سے آئے اور یہاں آکر آباد ہوئے اور دوسرے وہ جو یہیں کے باسی تھے لیکن تبلیغِ اسلام کے ذریعے حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے۔ برِصغیر میں ایسے قبائل موجود تھے جن کے آدھے حصّے مسلمان اور نصف یا اس سے کم یا زیادہ ہندو اور سکھ تھے۔ ہندو ان دونوں قسم کے مسلمان گروہوں سے معاندانہ رویّہ رکھتے تھے۔ ہندوؤں کے اس طرزِ عمل کی دو وجوہ ہوسکتی ہیں ایک یہ کہ وہ مسلمان قوم کے محکوم رہے ہیں اور اب ان سے سیاسی انتقام کا موقعہ ہے اور دوسرے یہ کہ اسلام اور ہندومت میں جو منافرت ہے وہ اس دشمنی کا سبب ہے فی الحقیقت ایک اور صرف ایک ہی سبب کارفرما تھا اور وہ مسلمانوں کا مسلمان ہونا تھا۔ بات اگر سیاسی مغلوبیت کی ہوتی تو شاید گوارا ہوتی۔ ہندوؤں میں تو ایسی تحریکیں شروع ہوئیں جو مسلم ملّت کے وجود کو ہی ختم کرنا چاہتی تھیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ معاشی استحصال اور ہندو طرزِ عمل دونوں معاون اور ذیلی اسباب کی حیثیت سے کارفرما رہے ہیں

---

1 The meaning of Pakistan P. 157

اصلی محرک صرف ملی تشخص کا تحفظ تھا۔

انفرادی تشخص | قیام پاکستان کا اصل محرک مسلمانوں کا ملی تشخص ہے۔ مسلمان یہاں حاکم رہے، لیکن انہوں نے حتی الامکان روادارانہ اور مصالحانہ پالیسی اختیار کی اور یہاں مسلم قومیت کے نشوونما کے لیے سرکاری سطح پر کوئی کوشش نہیں کی۔ مسلمانوں کے زوال اور انگریزوں کی آمد سے حالات یکسر بدل گئے۔ انگریز نے مسلمان سے انتقام کی خاطر اسے ہر جگہ دبایا لیکن ہندو نے انگریز سے سازگاری پیدا کرکے اپنے لیے مراعات حاصل کیں۔ ہر سبب کے وقت مسلمانوں کا انداز دفاعی تھا کیونکہ انہیں انگریز کے عتاب سے بچنا تھا مگر ہندو اسی وقت سے اپنے ماضی کے احیاء کا ارادہ رکھتا تھا۔ ہندو کی دوربین نظروں نے دیکھ لیا تھا کہ انگریز کو ایک نہ ایک دن جانا ہے اور اسے جانشین بننا ہے۔ کانگریس کی تشکیل و تنظیم، ہندی کے لیے پرچار، مسلمانوں کے خلاف بلوے تمام ہوا کا رُخ بتا رہے تھے۔ سر سید نے اسے محسوس کیا اور کہا:

"فرض کرو تمام انگریز اور انگریزوں کی تمام فوج ہندوستان کو چھوڑ کر چلی جائے تو ہندوستان میں کون حاکم ہوگا؟ کیا ایسی حالت میں بھی ہندو اور مسلمان دونوں قومیں ایک گدی پر بیٹھ کر برابر درجے پر رہ سکیں گے؟ ہرگز نہیں۔ ضرور ہوگا کہ ایک دوسرے کو مغلوب کرے گا اور دبائے گا۔ یہ چاہو کہ دونوں برابر رہیں ناممکن ہے۔[1]

مسلمان چونکہ عملاً زوال کا شکار تھے سلطنت چھن جانے اور معتوب ہونے کے باعث ان کا قومی شعور ابھی بیدار نہیں ہوا تھا وہ ابتدا میں ہندو مسلم اتحاد کی بات بھی کرتے تھے کیونکہ ان کا مطمح نظر محض تحفظات کا حصول تھا۔ مسلم لیگ کی ابتدائی جدوجہد بھی ایسی ہی تھی۔ کانگرس کی مسلسل کوشش رہی ہے کہ متحدہ قومیت وجود میں آئے۔ میثاق لکھنؤ اور تحریک عدم اعتماد وغیرہ مسلمانوں کی ایسی مساعی ہیں جن سے ہندوؤں کے ساتھ چلنے کا جذبہ ظاہر ہوتا ہے لیکن ان تمام کوششوں میں بھی مسلمان اپنی انفرادیت کا احساس و شعور رکھتے تھے۔ اپنے تحفظ کے لیے جداگانہ نیابت اور اردو زبان بطور علامت استعمال کرتے تھے۔ سر سید کے وقت سے آخر تک یہ دو اصول برابر ساتھ چلتے رہے ہیں۔ ہندو مذہب کیسا ہی مبہم اور غیر معین ہو، مگر ہندو مذہب ہی کی بنا پر دنیا کی سب سے زیادہ متعصب قوم ہے۔ وہ جب ان بدھوں کے ساتھ رواداری نہ برت

---

[1] میرٹھ کی تقریر، ۱۶ مارچ ۱۸۸۸ء

سکے جن کا مذہب ہندوستان ہی میں پیدا ہوا اور جو نسل، وطن اور کلچر کے اعتبار سے وہی تھے جو برہمنی مذہب کے ہندو، تو ان مسلمانوں کے ساتھ وہ کیسے رواداری برتتے یا برتنے لگیں، جن کے مذہب و عقائد و اعمال معیّن اور قطعی ہیں اور ہندو مذہب کی بالکل ضد۔ مسلمانوں نے اپنی تاریخ کے ہر دَور میں اس حقیقت کو فراموش کیا اور اس کے بُرے نتائج بھگتے۔[1]

ہندوؤں نے انڈین نیشنل کانگریس کے ذریعے ہندو قومیّت کو منظم کرنا شروع کیا لیکن مسلمان ابھی تک اسی گو مگو میں تھے کہ کس طرح منظّم ہوں۔ تحریکِ خلافت میں انہیں اپنی قوت کا احساس ہوا اور کانگریسی راج میں انہیں کچھ مزید تجربات ہوئے۔ مسلمانوں میں جُداگانہ قومیت کا احساس تو ہمیشہ سے تھا لیکن ہندو مسلم اشتراک کی پالیسی ناکام ہوئی تو ان کا یہ احساس شدید تر ہو گیا۔ علّامہ اقبال کی نظموں اور مقالوں نے مسلمانوں کے اندر احساس کی نئی قوت پیدا کر دی۔ متحدہ قومیّت کے بارے میں مولانا مودودی کے مضامین نے اس احساس کو اور بھی پختہ کر دیا۔ مسلمان اپنی جدوجہد میں مختلف گوشوں سے حکومتِ الٰہیہ، مسلم ہندوستان اور خلافتِ ربّانی وغیرہ کی آوازیں سُن رہے تھے۔ علّامہ اقبال نے آزاد مسلم ہندوستان کا تصوّر پیش کیا، مولانا مودُودی کے لٹریچر نے حکومتِ الٰہیہ کی آواز بلند کی، چودھری افضل حق نے اسلامی حکومت کا نعرہ لگایا اور مولانا آزاد سُبحانی نے خلافتِ ربّانی کا تصوّر پیش کیا۔ جگہ جگہ سے اس آواز کا اٹھنا اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ مسلمان اپنے مخصوص طرزِ فکر کی حکومت قائم کرنے کی ضرورت پوری شدّت کے ساتھ محسوس کر رہے تھے۔ اس دَور میں مسلمانوں کا ذہن جن خطوط پر سوچ رہا تھا وہ مختصراً یہ تھے۔

۱۔ مسلمان ایک جُداگانہ قوم ہیں اور قانون و انصاف کے ہر اصول کی روشنی میں ان کی حیثیت ایک اقلیت کی نہیں ایک قوم کی ہے۔

۲۔ بحیثیت قوم مسلمانوں اور ہندوؤں میں کوئی مستقل اشتراک ناممکن ہے کیونکہ دونوں کے قومی عزائم ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ پھر ہندوؤں پر اعتماد اور ان سے اشتراک کا جو تجربہ مسلمانوں نے کیا تھا وہ نہایت تلخ اور پوری طرح ناکام ثابت ہو چکا تھا۔

۳۔ وہ کسی ایسی راہ کی تلاش میں تھے کہ اپنے قومی تشخص اور اپنے تہذیب و تمدن کو برقرار رکھ کر

---

[1] پاکستان ناگزیر تھا ص۲۵

آزادی حاصل کریں ورنہ آزادی کے معنی ہندو اکثریت کے ہاتھوں مسلم کلچر کی تباہی کے سوا کچھ نہیں ہونگے یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ "نظریہ پاکستان سے مراد مسلمانوں کے ملّی انفرادی تشخص کا تحفظ ہے" مسلمانوں نے اپنی اس انفرادیت کو محفوظ کرنے کے لیے الگ خطّے کا مطالبہ کیا تھا۔ مسلمانوں کو یقین تھا کہ شدھی اور سنگھٹن کی تحریکیں ان کی انفرادیت کو مٹانے کا ذریعہ ہیں۔ لہٰذا ان کی سلامتی اسی میں ہے کہ وہ اپنی تہذیب و ثقافت اور اپنی اقدار کے تحفّظ کے لیے ایک مرکز حاصل کریں۔ اِس دَور کا کوئی مخلص مسلمان کارکن بھی سیکولر خطوط پر نہیں سوچ سکتا تھا۔ اور نہ ہی مستقبل کے پاکستان کو ایک سیکولر ریاست تصور کرتا تھا۔ وہ اس خطے کو اپنی انفرادیت کا مظہر اور اسلام کی تجربہ گاہ قرار دیتے تھے۔ ذیل میں چند ایک اقوال درج کیے جاتے ہیں جو ہمارے اس دعوے کا ثبوت ہیں یہ بیانات ان شخصیتوں کے ہیں جنہوں نے تحریک پاکستان کی فکری و عملی قیادت کے فرائض انجام دیئے ہیں۔

علّامہ اقبال رحؒ | علّامہ اقبال رحؒ نے ملّتِ اسلامیہ کے لیے جو سب سے بڑا کارنامہ انجام دیا وہ اس کے ملّی تشخّص کی حفاظت اور اس کا احساس ہے۔ انہوں نے ہندوؤں کی متحدہ قومیّت والی چال کے پرخچے اڑا دیئے۔ وطنیت کے عنوان پر مشہور نظم کے یہ اشعار قابلِ غور ہیں۔

اس عہد میں مے اور ہے جام اور ہے جم اور — ساقی نے بنا کی روشِ لطف و ستم اور
تہذیب کے آذر نے ترشوائے صنم اور — مُسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

وہ اپنے مشہور خطبے الہ آباد میں فرماتے ہیں:

اسلام ہی وہ سب سے بڑا جزو ترکیبی تھا جس سے مسلمانانِ ہند کی تاریخ حیات متاثر ہوئی اسلام ہی کی بدولت مسلمانوں کے سینے ان جذبات و عواطف سے معمور ہوئے جن پر جماعتوں کی زندگی کا دارو مدار ہے۔ اور جن سے متفرق و منتشر افراد بتدریج متحد ہو کر ایک متمیز و معیّن قوم کی صورت اختیار کر لیتے ہیں اور ان کے اندر ایک مخصوص اخلاقی شعور پیدا ہو جاتا ہے۔ حقیقت میں یہ کہنا مبالغہ نہیں کہ دنیا بھر میں شاید ہندوستان ہی ایک ایسا ملک ہے جس میں اسلام کی وحدت خیز قوت کا بہترین اظہار ہوا ہے۔ دوسرے ممالک کی طرح ہندوستان میں بھی جماعت اسلامی کی ترکیب صرف اسلام

ہی کی رہینِ منّت ہے اس لیے کہ اسلامی تمدّن کے اندر ایک مخصوص اخلاقی روح کارفرما ہے[1]۔"

"مَیں نہیں کہتا کہ کوئی مسلمان ایک لمحے کے لیے بھی کسی ایسے نظامِ سیاست پر غور کرنے کے لیے آمادہ ہوگا جو کسی ایسے وطنی یا قومی اصول پر ہو جو اسلام کے اصولِ اتحاد کی نفی پر مبنی ہو۔ یہ وہ مسئلہ ہے جو آج مسلمانانِ ہندوستان کے سامنے ہے[2]۔"

"ایک سبق جو مَیں نے تاریخِ اسلام کے مطالعے سے سیکھا ہے یہ ہے کہ صرف اسلام تھا جس نے آڑے وقتوں میں مسلمانوں کی زندگی کو قائم رکھا نہ کہ مسلمان۔ اگر آج اپنی نگاہیں پھر اسلام پر جما دیں اور اس کے زندگی بخش تخیّل سے متاثر ہوں تو آپ کی منتشر اور پراگندہ قوتیں از سرِ نو جمع ہو جائیں گی اور آپ کا وجود ہلاکت اور بربادی سے محفوظ ہو جائے گا[3]۔"

"میں صرف ہندوستان اور اسلام کی فلاح و بہبود کے خیال سے ایک منظّم اسلامی ریاست کے قیام کا مطالبہ کر رہا ہوں[4]۔"

مُسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں اپنے خطبے کے دوران فرمایا:

"مسلمانوں اور دنیا کی دوسری قوموں میں اصولی فرق یہ ہے کہ قومیت کا اسلامی تصوّر دوسری اقوام کے تصوّر سے مختلف ہے۔ ہماری قومیّت کا اصل اصول نہ اشتراکِ زبان، نہ اشتراکِ وطن نہ اشتراکِ اغراضِ اقتصادی ہے، بلکہ ہم لوگ اس برادری میں جو جنابِ رسالتمآب نے قائم فرمائی تھی اس لیے شریک ہیں کہ بظاہر کائنات کے متعلق ہم سب کے معتقدات کا سرچشمہ ایک ہے اور جو تاریخی روایات ہم سب کو ترکہ میں پہنچی ہیں وہ بھی سب کے لیے یکساں ہیں۔ اسلام تمام مادّی قیود سے بیزاری ظاہر کرتا ہے اور اس کی قومیت کا دارومدار ایک خاص تنزیہی تصوّر پر ہے۔ جس کی تجسیمی شکل وہ جماعتِ اشخاص ہے جس میں بڑھتے اور پھیلتے رہنے کی قابلیت طبعاً موجود ہے۔ اسلام کی زندگی کا انحصار کسی خاص قوم کے خصائص مخصوصہ و شمائلِ مختصہ پر نہیں ہے۔ غرض اسلام زمان و مکان کی قیود سے مُبرّا ہے[5]۔"

"اسلام کی حقیقت ہمارے لیے یہی نہیں کہ وہ ایک مذہب ہے بلکہ اس سے بہت بڑھ کر ہے۔ اسلام میں قومیّت کا مفہوم خصوصیات کے ساتھ چھپا ہوا ہے اور ہماری قومی زندگی کا تصور اس وقت

---

[1] خطباتِ اقبال ص۲۶ [2] ایضاً ص۲۳ [3] ایضاً ص۶۴ [4] ایضاً ص۳۷ [5] ایضاً ص۹۵۔

تک ہمارے ذہن میں نہیں آسکتا جب تک کہ ہم اصولِ اسلام سے پُوری طرح باخبر نہ ہوں، بالفاظ دیگر اسلامی تصوّر ہمارا وہ ابدی گھر یا وطن ہے جس میں ہم اپنی زندگی بسر کرتے ہیں۔ جو نسبت انگلستان کو انگریزوں اور جرمنی کو جرمنوں سے ہے، وہ اسلام کو ہم مسلمانوں سے ہے، جہاں اسلامی اصول یا ہماری مقدس روایات کی اصطلاح میں خدا کی رسی ہمارے ہاتھ سے چھوٹی اور ہماری جماعت کا شیرازہ بکھرا[1]۔"

حضرت علامہ ہندوستان میں مسلمانوں کی نئی نسل کے لیے تعلیمی سہولتوں کے فقدان کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ہم کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اگر ہماری قوم کے نوجوانوں کی تعلیمی اٹھان نہیں ہے تو ہم اپنی قومیت کے پودے کو اسلام کے آبِ حیات سے نہیں سینچ رہے ہیں جو بوجہ کسی امتنازی یا اتحادی مرکز کے نہ ہونے کے اپنی شخصیت کو کسی دن کھو بیٹھے گا اور گرد و پیش کی ان قوموں میں سے کسی ایک قوم میں ضم ہو جائے گا جس میں اس کی بہ نسبت زیادہ قوت و جان ہوگی[2]۔"

ان تمام اقتباسات سے یہ حقیقت کُھل کر سامنے آتی ہے کہ حضرت علامہ مسلمانوں کو اسلام کی بنیاد پر ایک علیحدہ قوم تصوّر کرتے تھے اور اسی بنیاد پر وہ ایک علیحدہ خطّہ چاہتے تھے جسے وہ اسلامی ریاست کا نام دیتے تھے۔ کوئی ذی ہوش انسان اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ ساری جد و جہد اسلام کے نام پر تھی۔

**قائد اعظم** | علامہ اقبالؒ کے بعد دوسری اہم شخصیت قائد اعظم کی ہے۔ قائد اعظم نے تحریک پاکستان کی قیادت کی۔ اس وقت کی سیاسی صورتِ حال میں آپ کا طرزِ فکر و عمل بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ چونکہ مسلمانوں کی ساری جد و جہد دو قومی نظریے پر مبنی تھی اس لیے جداگانہ انتخابات اور علیحدہ وطن مسلم ملت کے انفرادی تشخص کے حصول کا ذریعہ تھے۔ قائد اعظم کے ارشادات و خطبات سے چند اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں۔

"ہم (ہندو اور مسلمان) ہر چیز میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ ہم مذہب میں مختلف ہیں

---

[1] ایضاً ص ۱۰۳ [2] ایضاً ص ۱۱۴

تہذیب و تمدن میں مختلف ہیں۔ تاریخ میں، زبان میں، طرزِ تعمیر میں، موسیقی میں، قانون اور اصولِ قانون میں، کھانے پینے میں، معاشرت میں، لباس میں۔ غرض ہر چیز میں ان سے مختلف ہیں۔ صرف ووٹ ڈالنے کی صندوقچی میں وہ یکجا نہیں ہو سکتے۔[۱]

"ہم ایک علیحدہ قوم ہیں جس کے پاس اپنا خاص تمدن، زبان اور ادب، فنونِ لطیفہ اور فنِ تعمیر، نام اور اصطلاحات، اقدار کا تخیل اور تناسب کا تصور، عدالتی قانون اور اخلاق کا ضابطہ، رواج اور سنہ تاریخ اور روایات، رجحانات اور تمنائیں موجود ہیں۔ مختصر یہ کہ زندگی پر اس کے متعلق ہم ایک خاص تصور رکھتے ہیں اور بین الاقوامی قانون کے تمام اصولوں کے مطابق ہم ایک علیحدہ قوم ہیں۔"[۲]

اگست ۱۹۴۱ء میں جب قائد اعظم جناح حیدر آباد تشریف لے گئے تو بعض نوجوان طلبہ نے اسلامی تعلیمات پر ان سے کچھ سوالات کیے اور اسلامی حکومت اور عام سیکولر حکومت کا امتیاز معلوم کرنا چاہا تو قائد اعظم نے فرمایا:

"اسلام میں اصلاً نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے، نہ کسی پارلیمان کی نہ کسی اور شخص کی یا ادارہ کی۔ قرآن کریم کے احکام ہی سیاست و معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کی حدود متعین کرتے ہیں۔ اسلامی حکومت دوسرے الفاظ میں قرآنی اصول و احکام کی حکمرانی ہے اور حکمرانی کے لیے بہر حال آپ کو علاقہ اور سلطنت کی ضرورت ہے۔ مسلم لیگ کی تنظیم، اس کی جد و جہد، اس کا رخ اور اس کی راہ سب اس سوال کے جواب ہیں۔"[۳]

۲۱ نومبر ۱۹۴۵ء کو فرنٹیر مسلم لیگ کانفرنس میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

"مسلمان پاکستان کا مطالبہ کرتے ہیں، جہاں وہ خود اپنے ضابطہ حیات، اپنے تہذیبی ارتقاء، اپنی روایات اور اسلامی قانون کے مطابق حکمرانی کر سکیں۔"[۴]

پھر پاکستان بننے سے صرف ڈیڑھ ماہ پہلے کانگرسی خان برادران کے چھوڑے ہوئے شوشوں کا ذکر کرتے ہوئے بیان دیا:

---

۱۔ خط بنام گاندھی نومبر ۱۹۴۵ء ۲۔ گاندھی جناح مراسلت ۱۷ دسمبر ۱۹۴۵ء

۳۔ قائد اعظم محمد علی جناح ص ۴۵ ۔ ۴۔ ایضاً ص ۴۵

"خان برادران نے اپنے بیانات میں اور اخباری ملاقاتوں میں ایک اور زہر آلود شور برپا کیا ہے کہ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی شریعت کے بنیادی اصولوں اور قرآنی قوانین سے انحراف کرے گی، یہ بات بھی قطعی طور پر غلط ہے[1]۔"

کراچی میں ۲۶ جنوری کو ایک اعزازی دعوت میں جو کراچی بار ایسوسی ایشن کی طرف سے دی گئی تھی، تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

"میرے لیے وہ گروہ بالکل ناقابلِ فہم ہے جو خواہ مخواہ شرارت پیدا کرنا چاہتا ہے اور یہ پروپیگنڈا کر رہا ہے کہ پاکستان کا دستور شریعت کی بنا پر نہیں بنے گا[2]۔"

قائد اعظمؒ کے ان بیانات سے پاکستان کی حقیقت کا واضح پتہ چلتا ہے کہ وہ کیسا ملک ہے۔

لیاقت علی خاں | قائد اعظمؒ کے بعد تیسرے ذمّہ دار ترین گواہ لیاقت علی خاں مرحوم ہیں۔ ان کی گواہی لازماً اس قابل ہے کہ پاکستان کے حقیقی تصوّر کو جاننے کے لیے ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے:

"پشاور ۱۴ جنوری۔ پاکستان کے وزیر اعظم مسٹر لیاقت علی خاں نے اتحاد و یک جہتی کے لیے سرحد کے لوگوں سے اپیل کرتے ہوئے قائد اعظم کے ان اعلانات کا پھر اعادہ کیا کہ پاکستان مکمل اسلامی ریاست ہوگا۔ انہوں نے فرمایا "کہ پاکستان ہماری ایک تجربہ گاہ ہے اور ہم دنیا کو دکھائیں گے کہ تیرہ سو برس پرانے اسلامی اصول کس قدر کار آمد ہیں[3]۔"

پھر ۹ دسمبر ۱۹۴۹ء کو کوہاٹ ضلع مسلم لیگ کے زیرِ اہتمام ایک جلسہ عام میں فرمایا:

"جہاں تک لوگوں کی اس امنگ کا تعلق ہے کہ پاکستان میں اسلامی اصولوں کے مطابق حکومت ہونی چاہیے۔ دستور ساز اسمبلی کی پاس کردہ قراردادِ مقاصد اس کی کافی ضمانت ہے۔ میرا یہ ایمان ہے کہ اگر ہم نے پاکستان میں اسلامی حکومت قائم نہ کی تو پاکستان زندہ نہیں رہ سکے گا۔ ہم دنیا کو یہ دکھانے کا داعیہ رکھتے ہیں کہ فقط اسلام ہی وہ اصولِ زندگی ہے جو دنیا کے موجودہ مصائب کا خاتمہ کر سکتا ہے[4]۔"

ایک دوسرے موقعہ پر فرمایا:

---

[1] ڈان، ۳۰ جون ۱۹۴۷ء — [2] پاکستان ٹائمز ۴۸-۱-۲۷

[3] ایضاً ۱۵ جنوری ۱۹۴۸ء — [4] پاکستان ٹائمز ۹ دسمبر ۱۹۴۹ء

"میں نے حصولِ پاکستان سے قبل مسلمان رائے دہندوں سے جو وعدے کیے تھے میں انہیں بھولا نہیں ہوں۔ ہم نے پاکستان کا مطالبہ اس بنا پر کیا تھا کہ مسلمان اپنی زندگی اسلامی احکام کے قالب میں ڈھالیں۔ ہم نے ایک ایسے معمل کے قیام کا مطالبہ کیا تھا جہاں ایک ایسی حکومت بنائی جا سکے جو اسلامی اصولوں پر مبنی ہو جن سے بہتر اصول دنیا پیدا نہیں کر سکی۔ اس مقصد کے لیے ہزارہا مسلمانوں نے اپنی زندگیاں قربان کر دیں۔ تقریباً ۷ لاکھ مسلمانوں نے اس مقصد کے لیے اپنا گھر بار چھوڑا اور مرتے گھٹتے پاکستان تک پہنچے۔ ہم نے مسلمان عوام سے جو وعدہ کیا تھا۔ اب ہمیں اسے پورا کرنا ہے اور ایک ایسی حکومت قائم کرنی ہے جس کا نصب العین سچا اسلامی نصب العین ہو۔ دنیا کو آج اسلام کی ضرورت ہے[1]"

قائدِ ملت کے اِن ارشادات سے پاکستان کے محرکات کا علم ہوتا ہے۔ تھوڑی بہت سمجھ بوجھ رکھنے والا شخص جان سکتا ہے کہ نظریۂ پاکستان اسلام ہے۔

شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی | مولانا شبیر احمد عثمانی قائد اعظم کے دستِ راست تھے۔ علماء مشائخ کو تحریک پاکستان کے لیے آمادہ کرنا اور عوام میں مسلم لیگ کے متعلق پیدا شدہ غلط فہمیوں کو دُور کرنے میں ان کا عظیم کارنامہ ہے۔ یہ حضرت عثمانی ہی کی شخصیت تھی جس نے سرحد اور سلہٹ کے ریفرنڈم میں مؤثر کردار ادا کیا تھا۔ مولانا کے خطبات اور بیانات سے تحریک پاکستان کی اسلامی حقیقت عوامی سطح پر مسلّم ہوئی اور بچے بچے کی زبان پر یہ الفاظ تھے کہ "پاکستان کا مطلب کیا لا الٰہ الا اللہ" مولانا کے چند ارشادات پیش کرتے ہیں جن سے پتہ چل سکے گا کہ پاکستان کی بنیاد کیا ہے؟ اور اس کے مقاصد کیا ہیں؟

"میں زمانہ دراز تک ان مسائل کے اطراف و جوانب پر غور کرتا رہا۔ فیما بینی و بین اللہ سب کے اچھے برے پہلوؤں پر نظر کر کے آخر کار اس نتیجہ پر پہنچا کہ اس وقت مسلمانوں کو حصولِ پاکستان کی خاطر مسلم لیگ کی تائید و حمایت میں حدِ شرعیہ کے ساتھ حصہ لینا چاہیے۔ میں یہ گمان کرتا ہوں کہ اگر اس وقت مسلم لیگ ناکام ہو گئی تو پھر شاید مدت دراز تک مسلمانوں کو اس ملک میں پنپنے کا موقع نہ ملے گا۔ اس لیے وقت کی ضرورت یہ ہے کہ مسلمان مسلم لیگ کے بازو مضبوط کریں اور

---

[1] نوائے وقت ۸ جنوری ۱۹۵۰ء

ساتھ ہی عوام مسلمین پر مختلف عنوانوں سے یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ہم نے زعماء لیگ کا ساتھ اپنے دین اور اپنی اصلی قومیت کی حفاظت کے لیے دیا ہے اور تمام دینی معاملات میں ہم حاملین دین اور علماء ربانیین کی آواز سب آوازوں پر مقدم دیکھنا چاہتے ہیں[۱]۔"

تحریک پاکستان کی اسلامی بنیادوں کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

"یاد رکھیے، مسلمان اب بیدار ہو چکا ہے۔ اس نے اپنی منزلِ مقصود معلوم کر لی ہے اور اپنا نصب العین خوب سمجھ لیا ہے۔ وہ اس راستے میں جان و مال نثار کرنے سے بھی دریغ نہیں کرے گا۔ خوش قسمتی سے بہت سے علماء امت اور اکثر مشائخ طریقت نے مذہبی نقطۂ نظر سے پاکستان کی حمایت و تائید کا بیڑا اٹھایا اور وہ اپنے پیروؤں کو برابر یہ تلقین کر رہے ہیں کہ پاکستان اور مسلم لیگ کو کامیاب بنانے کی سعی کریں اور کسی رکاوٹ کو خاطر میں نہ لائیں کیونکہ اس وقت مسلمانانِ ہند کی موت و حیات کا مسئلہ ہے[۲]۔"

ان تمام تصریحات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ نظریۂ پاکستان سے مراد مسلم ملت کے انفرادی تشخص کی حفاظت اور اسلامی معاشرے کے قیام کی کوشش تھی۔ مسلم لیگ نے اپنی جدوجہد میں اس امر کا اعلان کیا اور علماء کی ایک کمیٹی مقرر کی تھی جس کے ذمہ یہ کام تھا کہ وہ اسلامی ریاست کے ڈھانچے پر سفارشات مرتب کرے۔ اردو زبان جداگانہ انتخاب کی بات اسی مسلم انفرادیت کی علامتیں تھیں۔

الغرض نظریۂ پاکستان اسلام کی بنیاد پر جداگانہ قومیت کے نشوونما کے لیے ایک علیحدہ وطن کا نام ہے جہاں اسلام زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہو اور مسلم قوم کے انفرادی و اجتماعی اعمال اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور پیغمبرِ انسانیت کے ساتھ گہری اور سچی وفاداری پر مستحکم ہوں دوسرے الفاظ میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ نظریۂ پاکستان اسلام کا نفاذ ہے۔

---

[۱] ماہنامہ چراغِ راہ ص ۲۶ [۲] ہمارا پاکستان (خطبۂ صدارت)، جنوری ۱۹۴۶ء

(یہ مقالہ مرکز توسیع تعلیم پنجاب، لاہور کے زیر اہتمام منعقدہ تجدیدی کورس برائے "اسلامی نظریۂ حیات" میں پڑھا گیا)